

خودی اور علومِ مروجہ

خودی اور ایڈلرززم

فرائڈ کے ایک شاگرد ایڈلر (ADLER) نے اپنے استاد کی خیال آرائیوں سے اختلاف کر کے انہیں غلط قرار دیا ہے۔ لیکن اُس کے نزدیک انسان کے اعمال کی قوت محرکہ اگر جبلت جنس نہیں تو جبلتِ تفوق (Self Assertion) ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ انسان کے سارے اعمال و افعال کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور برتر بنائے اور دوسروں سے زیادہ قوت اور طاقت حاصل کر کے اُن پر غالب آئے۔ انسانی فرد جب دنیا میں آتا ہے تو کمزور ہونے کی وجہ سے اپنی ہر ضرورت اور خواہش کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنے اس کمتری کے مقام سے رنجی نہیں ہوتا بلکہ تناکر تا ہے کہ جذبہ جد کر کے اپنی کمتری کو دور کرے اور لوگوں کی توجہ اور ستائش کا مرجع بن جائے اور یہی تناسل کی زندگی کی ساری تگ و دو کا سبب بنتی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ پھر انسان کی فطرت میں نصب العین کی محبت کا مقام کیا ہے اور کیوں جبلتِ تفوق کی بجائے نصب العین ہی انسان کے سارے اعمال کا حکمران نظر آتا ہے تو ایڈلر اس سوال کا جواب فرائڈ ہی کی طرح یہ دیتا ہے کہ نصب العین کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ وہ انسان کی آرزو سے تفوق کی ایک وہی توجیہ ہوتا ہے۔ انسان کا نصب العین وہی تصور ہوتا ہے جو اُس کے خیال میں اُس کی کمتری کی تلافی کر سکتا ہے اور اُسے قوی اور طاقت ور بنا سکتا ہے۔ چونکہ افراد کی اپنی کمتری کے تصورات مختلف ہوتے ہیں اس لیے ان کے وہ تصورات بھی مختلف ہوتے ہیں جو اُن کے خیال میں اُن کی کمتری کو دور کر سکتے ہیں۔ یہی تصورات اُن کے نصب العین ہوتے ہیں۔ چونکہ لوگ جنسِ نیکی اور صداقت کے اوصاف کو پسند کرتے ہیں۔ جو شخص اُن اوصاف کو اپنالیتا ہے وہ لوگوں میں پسندیدہ ہو جاتا ہے اور لذتِ اوقات اور طاقت حاصل کر لیتا ہے۔ ایڈلر کا نظریہ کئی سوالات پیدا کرتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ اگرچہ شروع ہی سے بڑوں میں رہنے کی وجہ سے اپنی کمتری اور دوسروں کی بڑائی کے احساس کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اپنے اس مقام کو ضروری اور قدرتی سمجھ کر اس سے مضامند کیوں نہیں ہو جاتا اور کہیں اس کے خلاف رد عمل کر کے اپنی کمتری کو دور کرنے کی کوشش کرنے لگ جاتا ہے۔ بہ صاف ظاہر ہے کہ بڑائی یا عظمت کی محبت اس کے دل میں شروع سے ہی اس کی فطرت کے ایک ضروری عنصر کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ کیا یہ حقیقت فلسفہ غری کی تائید مزید نہیں کرتی جس کی رو سے انسان، خدا اور اس کی صفات حسن، نیکی، صداقت، قوت اور عظمت کی محبت کا ایک جذبہ ہے۔ اگر انسان میں خدا کی محبت کا جذبہ نہ ہوتا تو اس میں عظمت کی محبت بھی نہ ہوتی اور وہ قوت اور عظمت کے حصول کی تساہی نہ کر سکتا۔

بچہ تائش کا طالب اس لیے ہوتا ہے کہ تائش حسن کے لیے ہوتی ہے اور وہ بحیثیت انسان کے برحق اور دوسرے حسن ہے۔ تائش کے طالب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُسے معلوم ہے کہ بعض اوصاف تائش کے قابل ہوتے ہیں اور بعض تائش کے قابل نہیں ہوتے۔ اس کی خودی میں ایک معیار رکھ دیا گیا ہے جس سے وہ حسن کو غیر حسن سے تمیز کرتا ہے۔ اس معیار پر صرف خدا کا تصور ہی پورا اثر رکھتا ہے۔ لہذا اگر یہ معیار خدا کی محبت کا جذبہ نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر کیوں نہ سمجھا جائے کہ انسان کے اعمال کی قوت محرکہ خدا کی محبت ہے نہ کہ جبلت تفوق!

۲۔ قدرت نے جبلت تفوق کا دائرہ کار بہت محدود رکھا ہے۔ یہ جبلت قدرت نے حیوانی مرحلہ ارتقاء میں حیوان کو اس لیے دی تھی کہ وہ اس کی مدد سے مخالف عمل اور حیوانات کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آئے تاکہ اپنی زندگی اور نسل کو برقرار رکھ سکے۔ انسان میں اگر بھی اس جبلت کا مقصد اور جبلتوں کی طرح وہی رہتا ہے جو حیوانی مرحلہ ارتقاء میں تھا یعنی بحیثیت حیوان کے انسان کی بذنی اور حیاتیاتی زندگی کی حفاظت، لیکن جس طرح فرائد نے جبلت جنس کو مضبوطی و وسعت دے کر انسان کے مایہ و سفید کا مالک فرض کر لیا تھا اُسی طرح ایدر نے جبلت تفوق کو غیر معمولی حد تک وسعت دے کر انسان کا آمر مطلق فرض کر لیا ہے تاکہ فطرت انسانی میں نصب العین کے مقام کو نظر انداز کیا جاسکے۔ سوال یہ ہے کہ انسانی مرحلہ ارتقاء میں ایسا کیوں ہوا ہے اور اس کے ہونے کا ثبوت کیا ہے کہ جبلت تفوق اپنے اصلی حیاتیاتی دائرہ کار سے عبور کر کے

انسان کی تمام جبلتوں پر محرک رہتی ہے۔

جب ایڈلر کا کوئی معتقد ان سوالات کا ایسا معقول اور مدلل جواب دینے کی کوشش کرے گا جو انسان اور کائنات کے تمام مظهر اور مسئلہ حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو تو اس کی توجہ لازماً ایسے حقائق کی طرف ہوگی جن کی روشنی میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ انسان کے اعمال کی قوت محرکہ جبلت تفوق نہیں بلکہ خدا اور اس کی صفات احسن، نیکی، صداقت، قوت، عظمت وغیرہ کی محبت ہے اور یہی نتیجہ فلسفہ خودی کا پتھر ہے۔

خودی اور سیکڈوگل ازم

سیکڈوگل (Mc Dougal) کے نزدیک انسان کے اعمال کی قوت محرکہ اس کی جبلتیں ہیں جو کہتا ہے:

جبلتیں انسان کے سامنے اعمال کی حرکت میں لانے والی بنیادی قوتیں ہیں:-

سیکڈوگل تسلیم کرتا ہے کہ انسان اور حیوان کی جبلتیں ایک جی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فوری ہے کہ حیوان اور انسان کے فطرتی رجحانات اور قدرتی اعمال و افعال بھی ایک ہی ہوں لیکن ہم جانتے ہیں کہ انسانی فطرت کے بعض امتیازات ایسے بھی ہیں جو حیوان میں موجود نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کسی علمی، اخلاقی، روحانی یا جمالیاتی نصب العین کی خاطر اپنی جبلتوں کی مخالفت کر سکتا ہے لیکن حیوان جبلتوں کی مخالفت نہیں کر سکتا، کیونکہ نصب العین کی محبت کا جوہر حیوان میں موجود ہی نہیں۔ کس یہ نصب العین کی محبت انسان میں کہاں سے آئی ہے جبہ فطرت انسانی میں اس کا ماخذ مقام اور ذار کیا ہے یہ کیا ہے بھی کوئی جبلت ہے یہ سیکڈوگل کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک جبلت نہیں بلکہ ایک جذبہ ہے جو جبلتوں کی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے۔ اس جذبہ کو وہ جذبہ ذات اندیشی کا نام دیتا ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ یہ جذبہ جبلت تفوق کی مدد سے دوسری جبلتی خواہشات کی مخالفت کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

سیکڈوگل کا یہ نظریہ بہت سے اعتراضات کی زد میں آتا ہے مثلاً:

- ۱۔ اگر انسان کے اندر اس کی حیوانی جبلتیں مل کر اور ترکیب پا کر نصب العین خواہش پیدا کر سکتی ہیں تو حیوان میں کیوں پیدا نہیں کرتیں؟ بالخصوص جب سیکڈوگل تسلیم کرتا ہے کہ انسان اور حیوان میں جو چیز امتیاز پیدا کرتی ہے وہ فقط عقل ہے جو انسان میں ہے اور حیوان میں نہیں اور انسانی عقل انسانی

جہتوں کی اس ترکیب کا سبب نہیں جو جذبہ ذات اندیشی کی صورت اختیار کرتی ہے۔

۲۔ اگر نصب العین خواہش جہتوں کی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے تو وہ جہتوں کی مخالفت کیوں کرتی ہے یہاں تک کہ اس کی خاطر ایک انسان بعض وقت نہ صرف اپنی جہتی ضروریات کو بلکہ اپنی زندگی کو بھی (جس کی حفاظت کے لیے وہ موجود ہوتی ہیں) قربان کر دیتا ہے۔ اور پھر نصب العین خواہش جہتی خواہشات کو، بیکہ دگل کے اپنے الفاظ میں "خوف" (Horror) اور "حقارت" (Detestation) کی نگاہ سے کیوں دیکھتی ہے؟

۳۔ بعض وقت جہت تفوق کا مقصد نصب العین خواہش کے مقصد کے بالکل عکس قسم کا ہوتا ہے۔ جہت تفوق تو فقط غلبہ کا تقاضا کرتی ہے لیکن بعض وقت ایک انسان اپنے نصب العین کی ناداری، کمزوری، بیچارگی اور ذلت بلکہ موت تک کو بخوشی قبول کر لیتا ہے۔ ایسی حالت میں جہت تفوق جو غلبہ چاہتی ہے جذبہ ذات اندیشی یا نصب العین خواہش کی مدد کیونکر کرتی ہے؟ اگر نصب العین خواہش کی تشریح کے لیے فلسفہ خودی کی اس روشنی کو قبول کر لیا جائے کہ نصب العین کی محبت انسانی فطرت کا ایک مستقل جذبہ ہے جو جہتوں کے کسی مرکب سے پیدا نہیں ہوا تو اس تشریح پر اس قسم کے کوئی اعتراضات وارد نہیں ہو سکتے۔

خودی اور مارکسزم

کارل مارکس (Karl Marx) کے نزدیک بنیادی طور پر انسان کے اعمال کی قوت محرکہ جہت تغذیہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ حیوان خوراک حاصل کر کے اپنی زندگی کو برقرار رکھے چونکہ خوراک کا مقصد زندگی کا قیام ہے، کارل مارکس خوراک کی ضرورت میں انسان کی اور ایسی ضرورتیں بھی شامل کرتا ہے جن کی تشفی بقائے حیات کے لیے ضروری ہے، مثلاً موسم کے مطابق کپڑا اور گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لیے رہائشی مکان وغیرہ اور ان سب کو ملا کر وہ اقتصادی ضروریات کا نام دیتا ہے۔ کارل مارکس تسلیم کرتا ہے کہ انسان اخلاقی، مذہبی، روحانی، علمی، جمالیاتی اور سیاسی نصب العینوں سے محبت کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ انسان کے اعمال بظاہر نصب العینوں کی خاطر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ تاہم وہ نصب العینوں کے لیے شعور (Consciousness) یا مشتملات شعور (Contents of

(Consciousness) کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان کے اعمال کی قوت محرکہ اس کی اقتصادی ضروریات ہیں تو انسان کے نصب العینوں کی حیثیت کیا ہے اور ایسا کیوں ہے کہ انسان کے سارے اعمال و افعال اقتصادی ضروریات سے نہیں بلکہ نصب العینوں سے پیدا ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کارل مارکس اور اس کا دوست اور فلسفہ سوشلزم کی تخلیق کا شریک کار اینگلس دونوں اس حقیقت کی ایک عجیب و غریب وجہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دراصل تو اقتصادی ضروریات ہی انسان کے اعمال کی قوت محرکہ ہیں لیکن انسان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی اقتصادی ضروریات کے لیے نہیں بلکہ کسی نصب العین کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔ یہ بات کچھ اس قسم کی ہے کہ ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر چلا جا رہا ہو اور دیکھنے والوں کو ساتھ ساتھ یہ کہتا جائے کہ آپ یقین کیسے نہیں کر سکتے ہیں کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں۔ آپ کو فقط ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگر جو کچھ محسوس ہوتا ہے حقیقت وہ نہیں تو اس کا کوئی ثبوت بھی تو ہونا چاہیے کہ حقیقت کچھ اور ہے اور نہ جو کچھ محسوس ہوتا ہے اسی کو حقیقت کیوں نہ سمجھا جائے؟ ذاتی احساس سے بڑھ کر کسی چیز کا ثبوت اور کیا ہوگا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب دنیا میں ہر آدمی کا احساس وہی ہو اور اس کلیہ کا استثناء ایک بھی موجود نہ ہو۔ ہر شاہد بھی تو دیکھنے والے کے ذاتی احساس میں بدل کر ہی ایک حقیقت بنتا ہے۔ دراصل یہ بھمارا قسم کا بے بنیاد دعویٰ کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تاریخ کا ہر مذہبی علمی یا اخلاقی انقلاب درحقیقت ایک اقتصادی انقلاب تھا۔

مارکس لکھتا ہے:

”جس طرح سے کوئی شخص ایک فرد کے تعلق اس بنا پر کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ اُس طرح سے کوئی شخص سماجی انقلاب کے ایک دور کے تعلق اس بنا پر کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا کہ اس دور کے لوگوں کا شعور (یعنی نصب العین) کیا ہے۔“

اسی طرح سے اینگلس لکھتا ہے:

”نصب العین کی سوچ ایک ایسا عمل ہے جسے نام نہاد سوچنے والا لاریب شعوری طور پر انجام دیتا ہے، لیکن ایک کا ذہن شعور کے ساتھ۔ اُس کے عمل کو حرکت میں

لانے والی اصل قوتیں اس کے لیے نامعلوم رہتی ہیں۔ لہذا وہ عمل کی کاذب اور ظاہری قوتوں کا ہی تصور کرتا ہے۔ چونکہ اُس کا سارا عمل نصب العین کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نصب العین پر مبنی ہے۔

لیکن اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ جو شخص ایک اخلاقی یا مذہبی نصب العین کی جستجو کرتا ہے، اس کا یہ خیال کاذب ہوتا ہے کہ وہ ایسا کر رہا ہے اور درحقیقت وہ اپنی اقتصادی ضروریات کا اہتمام کر رہا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ ایک شخص کو دماغی طور پر صحت مند ہونے کے باوجود اپنی اقتصادی ضروریات کسی اخلاقی یا مذہبی نصب العین کے ایسے تقاضے نظر آتے ہیں جن کا اقتصادی ضروریات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ جن کی خاطر وہ اپنی اقتصادی ضروریات کو بلکہ اپنی زندگی کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ جب ایک شخص کو یہ ہو کہ لگتی ہے تو وہ صاف کہتا ہے کہ اُسے خوراک کی ضرورت ہے اور یہ نہیں کہتا کہ اسے مسجد میں جانے کی ضرورت ہے۔ لیکن جب وہ اپنی بھوک کا علاج کرنے کے لیے موجودہ اقتصادی حالات کو بدلنا چاہتا ہے تو وہ صاف طور پر اپنے مقصود کا ذکر کیوں نہیں کرتا، اور اس کی بجائے کسی اخلاقی یا مذہبی نصب العین کا ذکر کیوں کرتا ہے اور اس کی عقل پر ایسا پردہ کیوں پڑ جاتا ہے جو اُس کو مجبور دیتا ہے کہ وہ درحقیقت کیا چاہتا ہے۔ وہ اپنی پسندیدہ اقتصادی تبدیلی کو برپا کرنے کے لیے ایک ٹیڑھا اور منافقانہ راستہ اختیار کر کے یہ کیوں کہتا ہے کہ وہ فلاں مذہبی یا اخلاقی نصب العین کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ مارکس اور اینجلز کے خیال کے مطابق انسان فقط ایک اقتصادی وجود ہے اور ایک مذہبی یا اخلاقی وجود نہیں۔ اور اُس کے لیے سیدھا اور غیر منافقانہ راستہ اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ موجود نہیں۔ جب انسان کی ساری خواہشات اقتصادی خواہشات ہیں تو وہ ظاہری طور پر لا شعوری طور پر یا منافقانہ طور پر بھی ایسی غیر حقیقی اور فرضی خواہشات کا بندہ کیوں بن جاتا ہے جو روحانی یا اخلاقی خواہشات کہلاتی ہیں اور جن کے مقابلہ میں وہ اقتصادی خواہشات کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ اور پھر جب کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے کہ اُس کے عمل کے اصلی محرکات کیا ہیں تو مارکس اور اینجلز کو ان محرکات کا علم کیسے ہو گیا؟ اینجلز تسلیم کرتا ہے کہ انسان کا "سارا عمل نصب العین کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس کے باوجود وہ یہ نہیں مانتا کہ یہ عمل نصب العین پر مبنی ہے حالانکہ کسی دلیل کے بغیر اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ وہ نصب العین کے ذریعہ سے اسی

ایک قابل غور بات

یہ بات قابل غور ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمارے مشعلات شعور یا ہمارے نصب العین (خواہ مارکسی انہیں اقتصادی حالات کی پیداوار یا اقتصادی ضروریات کی کاذب اور بگڑی ہوئی شکلیں ہی کہیں نہ سمجھیں) ہمیشہ حسن نیکی اور صداقت کے اوصاف کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ وہ ہر حالت میں ان ہی صفات سے حصہ لیتے ہیں اور جوں جوں اپنے آپ کے متعلق ہمارا علم ترقی کرتا جا رہا ہے وہ ان صفات سے اور قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اقتصادی ناہمواریوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہوں تو پھر بھی ہم انصاف، انداد، عدل، مساوات، اخوت، آزادی اور جمہوریت ایسے تصورات کا نام لیتے ہیں جو حسن نیکی اور صداقت اور خدا کی دوسری صفات سے ماخوذ ہیں اور حسن کی متنازعہ کی آرزو کا ایک عنصر ہے۔ ان اوصاف کی متنازعہ ہمارے تمام انقلابات کا مشترک پس منظر ہوتی ہے خواہ یہ انقلابات اقتصادی، اخلاقی، علمی اور سیاسی۔ کیا یہ حقیقت اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی کہ حسن نیکی اور صداقت کی آرزو انسان کے شعور کی ایک مستقل خاصیت ہے جس کی تشفی کے لیے ہم وقتاً فوقتاً اپنے اقتصادی، اخلاقی، علمی اور سیاسی حالات کو بدلنے کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔

مشعلات شعور میں کارل مارکس نے عقل اور استدلال کو بھی شمار کیا ہے۔ چونکہ عقل بھی اقتصادی حالات کا نتیجہ ہے وہ صداقت کی جستجو کرنے کے لیے آزاد نہیں اور لہذا صداقت کو دریافت نہیں کر سکتی۔ یہ نقطہ نظر سراسر غیر عقلی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی یہ سمجھے کہ وہ گرد و پیش کے اقتصادی حالات سے آزاد ہو کر عقلی استدلال کر رہا ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ وہ ایک وہم میں مبتلا ہے، لیکن اگر صداقت دریافت نہیں کی جاسکتی تو مارکس کے پیرو اپنے فلسفہ کو ایک صداقت کے طور پر کیوں پیش کرتے ہیں۔

مارکس اور اینجلز نے اپنے فلسفہ کی بنیاد عقلی استدلال پر رکھی ہے اور وہ عقلی استدلال ہی سے دوسروں کو قائل کرنا چاہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اگر انسان کی عقل بھی وہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہے جو روبرو اقتصادی حالات مقرر کریں تو پھر اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی اور نہ وہ اس قابل ہی ہو سکتی ہے کہ صداقت کی طرف راہنمائی کرے۔ اگر اشتراکیت کا فلسفہ بھی اقتصادی ضروریات کی ایک مجموعی ہوئی شکل ہے تو پھر نہ وہ عقل پر مبنی ہو سکتا ہے اور نہ درست۔ (جاری ہے)